ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.2 2022

# عساکرِ پاکستان کی آپ بیتیوں میں طنزو مزاح

## HUMOR IN THE AUTOBIOGRAPHIES OF PAKISTAN FORCES

**محمد عمر فاروق**

پی ایچ۔ ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، لاہور گیریزن یونیورسٹی، لاہور

**ڈاکٹر سید تنویر حسین**

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، لاہور گیریزن یونیورسٹی، لاہور

**Abstract**

*The heartfelt and emotional attachment of the People of Pakistan with 'Asakar Pakistan' is not secret for anyone.The people living in the country love those who protect the geographical and ideological borders of their country.Every patriotic Pakistani has a strong desire to know about the day and night of his forces, the way of life, training and their life-style on the battlefield.The best way to fulfill this desire is the autobiographies of* ***'Asaker-e-Pakistan'.'Asaker-e- Pakistan'*** *have many autobiographies that have their own distinct style of writing.Many military biographers have used the tactic of humor to make their writings attractive and pleasant. Col.Muhammad Khan, Brigadier Siddique Salik, Major Syed Zameer Jafri, Col. Ashfaq Hussain, Brigadier Saulat Raza, and Col. Asad Mahmmood Khan are prominent among the writers.This article deals with the style and discuss the elements of humor in the above mentioned autobiographies.*

**Key Words:** Pak Army,Autobiography,Humor,Urdu Literture, Asaker-e- Pakistan

عساکرِ پاکستان کے ساتھ پاکستانی عوام کی قلبی و جذباتی محبت کسی سے مخفی نہیں۔ وطن عزیز میں بسنے والے افراد اپنے ملک کی سرحدوں کے محافظ جاں نثار سپاہیوں سے بے پناہ پیار کرتے ہیں۔ اپنی افواج کے شب وروز، رہن سہن، اندازِ تربیت اور میدان جنگ میں ان کی جانبازی کے واقعات سے آگاہی ہر محب وطن پاکستانی کی شدید خواہش ہے۔ اس خواہش کی تکمیل کا بہترین ذریعہ عساکرِ پاکستان کی آپ بیتیاں ہیں۔

آپ بیتی ایسی تحریر کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی شخص اپنے حالات زندگی خود سپرد قرطاس کرتا ہے۔ آپ بیتی صرف واقعات کی ایک مربوط شکل ہی نہیں ہوتی بلکہ اس میں داخلیت اور رومانویت کا بھی امتزاج ہوتا ہے اور اس میں گردشِ لیل ونہار سے جڑا جذباتی پہلو بھی نمایاں ہوتا ہے۔ عساکرِ پاکستان کی متعدد آپ بیتیاں ہیں جو اپنے اپنے جداگانہ اسلوب تحریر کی حامل ہیں۔ بہت سے عسکری آپ بیتی نگاروں نے طنزو مزاح کا حربہ استعمال کرتے ہوئے اپنی نگارشات کو دلکش اور خوشگوار بنایا ہے۔ مزاحیہ انداز کے مالک آپ بیتی نگاروں میں کرنل محمد خان، بریگیڈئیر صدیق سالک، میجر سید ضمیر جعفری، کرنل اشفاق حسین، بریگیڈئیر صولت رضا، اور کرنل اسد محمود خان نمایاں ہیں۔

تفصیل میں جانے سے قبل "طنزو مزاح" کی تفہیم ضروری ہے۔ طنز اور مزاح دو الگ الگ چیزیں ہیں جن کا عمومی مقصد خوش طبعی، دل لگی، مذاق، مسرت اور فرحت و انبساط کا ماحول پیدا کرنا ہوتا ہے۔ عام طور پر لوگ انھیں ایک ہی چیز سمجھتے ہیں لیکن در حقیقت ان کے درمیاں بہت لطیف سا فرق ہے۔ طنز میں تمسخر اور مذاق اڑانے کا پہلو پایا جاتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس میں کسی حاضر یا غائب شخص کو تنقید کا نشانہ بنایا جائے لیکن مزاح ایک نرم و نازک اور خوشگوار انداز کا نام ہے جو لبوں پر تبسم، آنکھوں میں چمک اور دلوں میں فرحت لاتا ہے لیکن بعض اوقات کسی معاشرتی برائی کا قلع قمع کرنا مزاح کی پھلجھڑیوں کے بس کی بات نہیں ہوتی اس کے لئے طنز کا نشتر ہی درکار ہوتا ہے۔ طنز اور مزاح کے بنیادی فرق اور ان کے استعمال کے بارے میں ڈاکٹر وزیر آغا کی رائے بہت جان دار ہے:

> "طنز جو بنیادی طور پر ایک ایسے باشعور، حساس اور درد مند انسان کے ذہنی رد عمل کا نتیجہ ہے جس کے ماحول کو ناہمواریوں اور بے اعتدالیوں نے تختہ مشق بنالیا ہو۔ اردو ادب میں طنز کا عروج بھی بڑی حد تک اسی رد عمل کا رہین منت ہے جو ایک غیر ملکی حکومت کے تشدد، مسلسل سماجی الجھنوں اور فرد کی زندگی میں مسلسل ناکامیوں کے باعث پیدا ہوا اور جس نے طنز نگار یعنی ایک حساس اور درد مند انسان کو اپنے ماحول کی سیاسی، سماجی اور معاشرتی بے اعتدالیوں کی طرف متوجہ کردیا۔ چنانچہ اس رد عمل کے زیر اثر طنز نگار نے ان تمام ناسوروں پر تیز نشتر چلانے کا آغاز کیا جو ناہمواریوں اور بے اعتدالیوں کی پیداوار تھے اور جن کے باعث معاشرہ سسک سسک کر دم توڑ رہا تھا۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ طنز کا استعمال تخریب پسندی کی علامت ہے۔ دراصل طنز کی تخریبی کارروائی صرف ناسور نشتر چلانے کی حد تک ہے اس کے بعد زخم کا مندمل ہوجانا اور فرد یا سوسائٹی کا اپنے مرض سے نجات حاصل کرلینا یقیناً اس کا بہت بڑا تعمیری کارنامہ ہے۔ لیکن طنز کے

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

لئے ضروری ہے کہ یہ مزاح سے بیگانہ نہ ہو بلکہ کونین کو شکر میں لپیٹ کر(Sugar coated) پیش کرے۔ دوسرے پردہ دری اور عیب جوئی کرتے وقت لطیف فنکارانہ پیرایۂ اظہار اختیار کرے۔[1]

اس تفصیلی وضاحت سے یہ بات روزروشن کی طرح عیاں ہو رہی ہے کہ طنزومزاح کا بنیادی مقصد اصلاح کرنا اور معاشرے سے برائیوں کا خاتمہ کرنا ہے کسی بھی فرد یا گروہ کی تضحیک یا ذلیل کرنا طنزومزاح کا مقصد ہرگز نہیں ہے۔ عساکر پاکستان کی آپ بیتیوں میں تنوع اسالیب نظر آتے ہیں۔ ان میں سنجیدہ اور سلیس اسلوب میں بھی ہیں اور شگفتہ و مزاحیہ اسلوب میں بھی موجود ہیں۔

آپ بیتی نگار کبھی کبھی اپنی زندگی کے تندوتیز اور تلخ تجربات کو بڑی چابکدستی کے ساتھ مزاح کے غلاف میں لپیٹ کر قارئین کے سپرد کر دیتا ہے۔ دراصل زندگی کے دکھوں اور تکالیف کو فنکارانہ مہارت کے ساتھ اس طرح بیان کرنا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے، مزاح کہلاتا ہے۔ حیرت انگیز بات ہے کہ عساکر پاکستان کے جانبازوں نے تیر و تفنگ کے سائے میں اور جیل کی سلاخوں کے پیچھے رہ کر بھی نہایت عمدہ و معیاری مزاح تخلیق کیا ہے۔ رشید احمد صدیقی نے افواج پاکستان کے مزاح کی ان الفاظ میں داد دی ہے:

"طنزومزاح کے میدان میں عساکر پاکستان کا کردار نسبتاً اعلیٰ ادب کی تخلیق کی بنیاد فراہم کر رہا ہے۔"[2]

عساکر پاکستان کے آپ بیتی نگاروں نے مزاح کی تکنیک کا سہارا لے کر خوش طبعی کے روپ میں شاہراہ حیات کو جگمگانے والے چراغ روشن کئے ہیں۔ افواج کی آپ بیتیوں میں طنزومزاح کی مثالیں اس قدر کثیر ہیں کہ ان کے لئے پورا ایک ضخیم مقالہ درکار ہے مگر "مشتے نمونہ از خروارے" کے مصداق چند مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ عسکری آپ بیتیوں میں عمومی طور پر مزاح کو اجاگر کرنے کے لئے جو حربے استعمال کئے گئے ہیں انھیں درج ذیل حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ واقعاتی مزاح
۲۔ اشعار کی تحریف
۳۔ لطائف
۴۔ شگفتہ جملے

**واقعاتی مزاح:** کسی بھی سانحہ، حادثہ یا واقعہ میں سے طنزومزاح کے پہلو نکالنا آسان کام نہیں ہے اس کے لئے بہترین قوتِ مشاہدہ اور اظہار کی عمدہ صلاحیت درکار ہوتی ہے۔

پاک آرمی کے کمیشن کے لیئے منتخب ہونے والے افسران کی ابتدائی تربیت بہت سخت ماحول میں ہوئی ہے تاکہ اعضاء میں مضبوطی آئے دور وہ جفاکشی پر مائل ہوں۔ صبح کے وقت پی۔ٹی ڈرل میں نظم و ضبط کی پابندی مثالی ہوتی ہے۔ اشارے اور حکم کے بغیر ہاتھ پاؤں ہلانا یا کھجلی خارش وغیرہ کرنا سختی سے منع ہوتا ہے۔ پابندی کی اس صورتحال کی عکاسی کرنل محمد خان نے ان الفاظ میں کی ہے:

"ان سب میں ہلومت کے حکم پر عمل کرنا عذاب عظیم تھا۔ سیدھے بت بنے کھڑے ہیں کہ کان پر کھجلی محسوس ہوتی ہے۔ اب ہاتھ کو جنبش دینا جرم ہے۔ کندھا کان تک نہیں پہنچ سکتا۔ کان کا خود ہلنا منشائے فطرت نہیں اور وہاں تک ہاتھ لے جانا منشائے سارجنٹ نہیں۔ عین اس وقت ایک مکھی ناک پر نازل ہوتی ہے۔ مکھی کو فنا کرنے کی بے پناہ خواہش دل میں پیدا ہوتی ہے۔ لیکن سارجنٹ سے آنکھ بچانا کراما کاتبین سے آنکھ بچانا ہے۔ مکھی پر دست درازی کا خیال آتا ہے تو سارجنٹ گویا ہاتھ ہلانے کے خیال ہی کو دیکھ لیتا ہے اور اپنی کائی انگریزی میں چلا اٹھتا ہے: "DON'T KILL NO FLY" یعنی مکھی مت مارو۔ ہاتھ وہیں کا وہیں سوکھ جاتا ہے اور مکھی نہایت اطمینان سے ناک کے نشیب و فراز کا معائنہ کرتی ہے ۔ایسے اشتعال انگیز حالات میں بے حرکت کھڑے رہنا صحیح معنوں میں نفس کشی تھی۔ اس وقت زندگی کی واحد خواہش صرف اتنی ہوتی کہ کب ڈرل ختم ہو اور جی بھر کر ناک اور کان کھجائیں اور بالآخر ڈرل ختم ہوتی اور ہم بلاخوف تعزیر کانوں کو چھوسکتے اور مکھیوں کو اڑا سکتے، تو ہمیں محسوس ہوتا کہ کان کھجانا اور مکھی اڑانا بھی کس قدر عظیم عیاشی ہے، اسی خوشی میں وہ آبلے بھی بھول جاتے جو ان آہنی بوٹوں کے اندر ہی بنتے اور پھوٹتے تھے۔"[3]

بظاہر عام سی نظر آنے والی ایک معمولی کارروائی کو کرنل محمد خان نے بڑی چابکدستی سے مزاح کے روپ میں ایسے ڈھال دیا ہے کہ کوئی باذوق قاری ان کی حس مزاح کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پی۔ٹی ڈرل اور پریڈ کی ایسی پابندی کی مثال کو پاکستان آرمی کے ایک اور آپ بیتی نگار بریگیڈیئر صولت رضا نے اس انداز میں بیان کیا ہے۔

"مارننگ پریڈ کو فل ان ہوئے چند منٹ ہی گزرے تھے کہ ایک آوارہ مچھر "ہواخوری" کے لئے ادھر آنکلا۔ پہلے روایتی انداز میں رجز پڑھے اور بے چارے کیڈٹ کو ملکہ کے بت کی مانند گم سم پا کر آوازے کسنا شروع کر دیا۔ کیڈٹ اس اشتعال انگیزی کے باوجود پر امن رہا۔ مچھر کا حوصلہ بڑھا اور وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کیڈٹ کے رخساروں پر حملہ آور ہوا۔ کیڈٹ مچھر سے خوفزدہ نہیں تھا، بلکہ اصل بات یہ تھی کہ ڈرل انسٹرکٹر اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ جلوہ افروز تھے۔ پریڈ میں ہاتھ پاؤں وغیرہ ہلانا انسٹرکٹر کو دعوتِ شجاعت دینے کے مترادف ہے اور یہ بات سب کے علم میں تھی کہ دعوت پر مدعو کرنا آسان ہے، لیکن انسٹرکٹر کی دادِ شجاعت وصول کرنا مہنگا سودا ہے۔ لہٰذا ہم نے پوری کوشش کی کہ دعوت "ریزرو" ہی رہے۔ اسی روز مچھر کی اشتعال انگیزی نے ریکارڈ تباہ کر دیا اور ہمارا شمار بھی ان کیڈٹوں میں ہونے لگا جو پریڈ کے علاوہ بھی "کچھ" کرتے اور سوچتے ہیں۔ یہ "کچھ" اور کرنے کا حادثہ مچھر کی اشتعال انگیزی کا نتیجہ تھا۔ وہ کیڈٹ کے خون سے جب اپنے لب تر کر رہا تھا، تو ہم نے اسے اڑانے کا جدید طریقہ اختیار کیا۔ سب سے پہلے پیٹ بھر کر سانس لی، اپنے ہونٹوں کو باریک سوراخ کی شکل دی، اس سوراخ کو اندازاً مچھر پر "فکس" کیا اور پوری قوت سے سانس نکال دی۔ ہمارا خیال تھا کہ یہ طوفان مچھر کو اڑا دے گا اور ہم اطمینان کے ساتھ پریڈ پر دھیان دے سکیں گے۔ مچھر شاید زیادہ ہی مدہوش تھا اور یہ وار ناکام ثابت ہوا۔ ہم نے دوبارہ سانس کے ذریعے حملہ کیا اس مرتبہ ہوا کی رفتار اور مقدار پہلے سے زیادہ رکھی۔ یہی احتیاط لے ڈوبی۔ جب راکٹ کی مانند ہوا منہ سے نکلی، مچھر تو اڑ گیا، لیکن پریڈ کی صفوں میں سیٹی کی گونج پھیل گئی۔"(4)

نہایت گہرے مشاہدے اور اندازِ بیان کی قوت کا کمال ہے کہ تقریباً ایک جیسی صورت حال کو بنیاد بنا کر دو مختلف نثر نگاروں نے اپنے اپنے الگ انداز میں مزاح کی صورت پیدا کی ہے۔ آم پھلوں کا بادشاہ کہلاتا ہے مگر اس کو کھانے کے لئے بادشاہوں جیسی نفاست نہیں بلکہ درویشوں جیسی لاپرواہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ آم چھری کانٹے سے کاٹ کر اور سجا سنوار کر کھانے والی چیز نہیں بلکہ اس کا اصل مزہ تب آتا ہے جب اسے بڑی بے تکلفی کے ساتھ منہ سے لگایا جائے اور چوس کر لطف اٹھایا جائے۔ بریگیڈیئر صولت رضا نے "کاکولیات" میں کیڈٹ کے طور پر تربیت کے دوران آم کھانے کے واقعہ کو کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

"آم پھلوں کا بادشاہ ہے۔ اس کے قابلِ فخر عقیدت مند مرزا غالب تو اسے اپنے انداز میں کھاتے ہوں گے، لیکن میس کی میز پر پہلے روز جب بے شمار چھچوں اور کانٹوں کے پہرے میں بادشاہ کی سواری آئی تو کیڈٹ کی حیرانی اس کی آنکھوں سے پھٹی پڑتی تھی۔ وہ پریشان تھا کہ آم کو کرسی پر بیٹھ کر چھری کانٹوں سے کیسے کھایا جائے۔ سب کی دیکھا دیکھی ایک آم اٹھا کر اپنی پلیٹ میں رکھ لیا اور اسے انگوٹھوں اور انگلیوں کی مدد سے "پلپلا" کرنے لگے۔ یہ عمل صحیح نہیں تھا۔ ایک کیڈٹ نے شاید زیادہ تیزی دکھائی، ان کا آم ذرا سی ٹھیس کا منتظر تھا کہ ایک سینئر آ نکلے، انہوں نے بڑی شائستگی سے آم کو "حلال" کرنے کا طریقہ بتایا۔ پریکٹیکل کے لئے بدقسمتی سے "پلپلا" آم منتخب ہو گیا، ابھی چھری کی نوک ہی لگی کہ آم کے رس کا ایک فوارہ بلند ہوا اور موصوف کا چہرہ لت پت کر گیا۔ ادھر میز پر بیٹھے ہوئے کیڈٹ بڑی مشکل سے ہنسی کا فوارہ ضبط کر رہے تھے۔ ان کے چہرے سرخ ہو گئے، لیکن جب وہی سینئر اپنا چہرہ دھو کر واپس آئے، تو ہمارے چہروں اور آم کے رس کی رنگت یکساں ہو گئی، وہ دن پھلوں کے بادشاہ سے توہین آمیز سلوک کا آخری دن ثابت ہوا اور اس کے بعد آم کے چھلکوں کو بھی ڈرل کے مطابق حرکت دی جاتی تھی۔"(5)

اپنے گھر میں والدہ محترمہ یا اہلیہ کے ہاتھ سے پکے ہوئے لذیذ کھانے جیسی نعمت تو کہیں بھی نہیں ملتی۔ ہاسٹل، ملازمت یا کسی ادارے کے میس (Mess) میں کھانے پینے کا اپنا نظام ہوتا ہے اور اس میں معیار کی پاسداری بھی عموماً واجبی سی ہی ہوتی ہے۔ اس پر مزید یہ کہ جب ایک ہی وقت میں سینکڑوں لوگوں کا کھانا بنانا ہو اور بجٹ بھی محدود ہے تو پھر جینے کے لئے ہی کھایا جا سکتا ہے کھانے کے لئے نہیں جیا جا سکتا۔ "جنٹل مین الحمد اللہ" میں کرنل (ر) اشفاق حسین نے ایک پسماندہ اور دشوار گزار علاقہ "استور" میں اپنے قیام کے دوران سالن کے لوازمات کے بارے میں یوں بیان کیا ہے:

"رات کے کھانے میں ہم نے آلو مٹر کھائے تھے۔ دوسرے دن دوپہر کے کھانے پر بھی آلو مٹر نظر آئے۔ سوالیہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھا، کمانڈر سمیت سبھی افسر سر جھکائے کھانے میں مصروف تھے۔ چپکے سے رہے، لیکن بعد میں میس حوالدار کو طلب کیا اور اس سے وضاحت چاہی کہ دونوں دنوں میں ایک ہی کھانا کیوں؟ اس کا جواب تھا: سر کل آلو مٹر پکے تھے، آج مٹر آلو پکائے ہیں۔ کہیں تو کل انہیں پکانے کے بجائے فرائی کر دیں آپ کے لئے؟"(6)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.2 2022

عسکری ادب کے ایک نہایت معروف نام سید ضمیر جعفری نے پیشہ ور تعویز گنڈے والے عاملوں، عطائی / اتائی طبیبوں اور حکیموں وغیرہ کی طرف سے سبز باغ دکھائے جاتے اور پریشان حال، بیمار اور مصیبت زدہ لوگوں کے ان پر اندھا اعتماد کر کے ان پر اپنا پیسہ برباد کرنے کا ایک اپنا ذاتی واقعہ بیان کیا ہے۔ شومئ قسمت کہ سید ضمیر جعفری صاحب کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ ہر بے اولاد شخص کی طرح انھیں اور ان کی اہلیہ محترمہ "انیس بی بی" کو اس بات کا رنج تھا۔ انیس بی بی کے اعتقاد کا ایک واقعہ لکھتے ہیں:

"شہر میں آج کل ڈاکٹر حمید ایک نجومی کی بڑی دھوم ہے۔ انیس کو وہم ہے اس پر کسی نے جادو کر کے اولاد کی "پڑی" بند کر رکھی ہے، جہاں کسی نجومی جوتشی کی خبر سنتی ہے ضرور وہاں پہنچتی ہے۔ مہینے میں ہمارا اتنا خرچ دودھ دہی پر نہیں اٹھتا جتنا جوتشی نجومی پر اٹھتا ہے۔ سوال ہمیشہ وہی میرے ہاتھ میں اولاد ہے یا نہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے چار بیٹوں کی خوشخبری دی ہے اور اس خوشخبری کے بیس روپے وصول کئے۔ گویا پانچ روپے فی بیٹا۔ ڈاکٹر صاحب امپریل ہوٹل میں مقیم ہیں مردوزن کا ایک میلہ ان کے کمرے کے سامنے لگا دیکھا۔ وہ خود کمرے کے اندر اولاد نرینہ کا خوانچہ لگائے بیٹھے تھے۔"(7)

پاک بحریہ میں میڈیکل کور میں اپنے فرائض ادا کرنے والے بریگیڈیر بشیر ارائیں کی آپ بیتی "خاک ساخاکی" میں "الزام تراشیاں" کے عنوان سے ایک پر مزاح واقعہ موجود ہے۔ جس میں طنز کی آمیزش بھی بجا طور پر محسوس کی جاسکتی ہے۔ فوجی جوانوں اور افسران کے ذاتی و گھریلو معاملات کی ٹوہ لگانے اور ملک کے سیاہ و سفید میں دخل اندازی کے باوجود مکر جانے کی عادت کے بارے میں ایک واقعہ لکھتے ہیں:

"میں 1991ء میں سیاچن بیس کیمپ گوما میں میڈیکل بٹالین کا سیکنڈ ان کمانڈ تھا تو بیگم کو پاسکوم کے ذریعے فون کرنا پڑتا تھا۔ شادی کو ابھی ایک ہی سال ہوا تھا۔ بیگم کہتی، کیسے فوجی ہو کبھی لو یو ہی کہہ دیا کرو۔ میں نے سمجھایا کہ بیچ میں ایکسچینج والے ہمارے فون سنتے ہیں۔ دوسرے دن سگنل کمپنی کے آفیسر کمانڈنگ کا فون آیا کہ سر ہم کسی کا فون یا باتیں نہیں سنتے، آپ بھابی جی سے جو مرضی کہا کریں۔ اس بات نے سیاچن کی برف باری میں مجھے ہیٹر جیسی حرارت بخشی اور میں نے یہ بات بیگم کو بتائی ہنس کر کہنے لگی، اچھا تو پھر خط میں ہی لکھ دیا کرو۔ میں نے خط میں لکھا کہ یہاں ہمارے خط بھی سنسر کرنے والے کھول کر پڑھتے رہتے ہیں، اس لئے خط میں بھی کوئی ایسی ویسی بات نہ لکھ دینا۔ دوسرے دن مجھے سگنل کمپنی کی طرف سے ایک چٹھی ملی جس میں لکھا تھا: سر ہم کسی کا خط نہ کھولتے ہیں نہ پڑھتے ہیں آپ بلاوجہ ہم پر غلط الزام نہ لگایا کریں۔

اب پھر لوگ کہہ رہے کہ یہ لوگ سیاست میں مداخلت کرتے ہیں۔ الزام تراشی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔"(8)

بریگیڈیر نعمان الحق فرخ نے "زندہ لمحات" کے نام سے اپنی داستان حیات کے چند گوشے آشکار کئے ہیں۔ ان کا اسلوب تحریر نہایت عمدہ اور ادبی ہے۔ ہر فصل کے اختتام پر حسب حال ایک بہت عمدہ اور خوبصورت شعر لکھا ہے۔

ایک بار انھیں کار خریدنے کی ضرورت پڑی تو اپنے ایک جاننے والے کی خدمات حاصل کیں جس نے انھیں متعدد کاروں کی نشان دہی کی اور ہر ایک کار کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتا۔ ایک کار کی خریداری سے قبل اس ایجنٹ اور اس کے دوستوں نے مصنف کو گاڑی چلانے کے بارے میں چند مفید ہدایات دیں جنہیں مصنف نے اپنی آپ بیتی میں اس انداز میں ذکر کیا ہے:

"سب سے شاندار گاڑی انتہائی کم قیمت میں اڑا لے جانے پر مبارکباد دی۔ کچھ زیادہ سمجھدار عمائدین نے گاڑی کو شایانِ طریقے سے استعمال کرنے کے لیے مفید مشوروں سے بھی نوازا مثلاً سپیکروں کی پوری آواز کھولیں تو گاڑی کے شیشے کھلے رکھیں ورنہ ونڈ سکرین ٹوٹنے کا خطرہ ہے، صبح گاڑی چلانے سے پہلے کم از کم آدھا گھنٹہ تک سٹارٹ رکھ کر انجن گرم کریں، ہائی وے پر دوسری گاڑی کو اوورٹیک کرتے وقت گاڑی کا ائر کنڈیشنر بند کرلیں، بدخواہوں کی بری نظر سے محفوظ رہنے کے لئے گاڑی کے سائیلنسر کے ساتھ کالا کپڑا یا پراندہ باندھ لیں اور گاڑی دھونے کے لئے سرف کے بجائے بچوں کا شیمپو استعمال کریں وغیرہ۔"(9)

"غبار عسکری" کے نام سے آپ بیتی لکھنے والے کرنل سید شفاعت علی کے اندازِ تحریر میں بھی مزاح کا عنصر غالب ہے۔ انھوں نے اپنے حالات زندگی بڑے شگفتہ اور مزاح سے بھرپور انداز میں تحریر کئے ہیں۔ بچپن سے لے کر جوانی، جوانی سے بڑھاپا اور ملازمت کے احوال اس انداز میں قلمبند کیئے ہیں کہ قاری لطف اندوز بھی ہوتا ہے اور گردش لیل و نہار کے متنوع رنگوں کا نظارہ کر کے سبق بھی حاصل کرتا ہے۔ کرنل صاحب نے بچپن میں اپنے ختنہ کے احوال کچھ اس انداز میں رقم کئے ہیں:

"کہا جاتا ہے کہ میں نے اپنی ماں کا دودھ دو سال پیا، تب جا کر تیسرے سال میں "مسلمان" ہوا۔ مجھے اپنے ختنے یاد ہیں، ہجڑوں کا انبوہ، شور وغل، ہنگامہ اور زعفران میں ڈوبی ہوئی ایک دو پلی ٹوپی میرے سر پر تھی۔ بس یہ سمجھیئے کہ چڑیا آئی اور سب نے تالیاں بجائیں اور کام ہو گیا۔ میں ناتجربہ کار تھا۔ اسے واقعہ سے پہلے کبھی دوچار نہ ہوا تھا، سہم گیا، رونا بھول گیا، پھر کیا تھا، سب ہجڑوں نے وہ ٹھیکا دیا کہ آج بھی اپنے آپ کو حیران محسوس کرتا ہوں۔"(10)

مندرجہ بالا چند مثالیں نمونہ کے طور پر پیش کی گئی ہیں۔ درحقیقت عساکر پاکستان کی آپ بیتیوں میں مزاح کے اعلیٰ اور معیاری نمونے جابجا موجود ہیں جن کی تفصیل ایک پورے دفتر کی متقاضی ہے۔

شگفتہ جملے:

ہم روزمرہ زندگی میں متعدد واقعات اپنی آنکھوں کے سامنے رونما ہوتے دیکھتے ہیں جن میں سے کچھ معمولی اور سرسری نوعیت کے ہوتے ہیں جبکہ کچھ امور نہایت اہم اور منفرد ہوتے ہیں۔ ایک ہی واقعہ کو اگر مختلف اشخاص بیان کریں تو ان کے انداز بیان الفاظ کے چناؤ میں یقینی طور پر کچھ فرق ضرور ہوتا ہے۔ بعض اوقات واقعات کی معروضی صورتحال اتنی اہم اور دل چسپ نہیں ہوتی جتنا انداز بیان اسے دلکش بنا دیتا ہے۔ درحقیقت یہ نظام حیات متعدد افعال کا تکرار ہی ہے جسے ابنائے زمانہ اپنے اپنے انداز میں دیکھتے جارہے ہیں اور الگ الگ اسلوب میں بیان کر رہے ہیں۔ بقول سیف الدین سیف:

سیف انداز بیاں رنگ بدل دیتا ہے
ورنہ دنیا میں کوئی بات نئی بات نہیں (11)

افواج پاکستان کے آپ بیتی نگاروں نے جابجا ایسا اسلوب تحریر اپنایا ہے کہ لفظ لفظ متبسم اور خنداں نظر آتا ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

کرنل محمد خان "بجنگ آمد" میں کپتان رام ناتھ نامی دلچسپ آدمی کے مضحکہ خیز انداز کو یوں بیان کرتے ہیں:

"آپ کسی کام میں بھی کپتانی کرتے تو آپ سے حوالداری ہو جاتی۔ پریڈ پر جاتے تو سپاہیوں پر دانت پیسنا شروع کر دیتے۔ وردی پہنتے تو سر اور ٹوپی میں تسلی بخش ربط نہ پیدا ہو سکتا۔ چائے پیتے تو ہونٹوں سے نہیں بلکہ پھیپھڑوں کے زور سے پیالی ہونٹوں کے قریب جاتی اور پھڑ پھڑانے لگتی اور خراد کی سی آوازیں آنے لگتیں۔ الغرض آپ چائے اسی اصول پر پیتے جس پر جیٹ طیارے پرواز کرتے ہیں۔ سگریٹ پیتے تو پہلے اسے مٹھی میں بھینچتے اور پھر آنکھیں بند کر کے کش لگاتے اور آنکھیں کھولنے تک اسے راکھ کر دیتے۔ یہ دیکھ کر میں داغؔ کا مصرع گنگناتا:

"جلا کے خاک نہ کر دوں تو داغؔ نام نہیں"

اس پر آپ فرماتے "ملوم ہندا اے، ایہہ داگ وی، سرگٹ پیندا سی"(12)

"زندہ لمحات" کے مصنف بریگیڈئر نعمان الحق فرخ نے اپنے ایک حد درجہ حساس اور کنجوس رفیق کار کے اپنے موٹر سائیکل کی حفاظت اور دیکھ بھال کے بارے میں یوں بیان کیا ہے:

"ابتدائی رننگ مکمل ہونے تک سکوٹر اتنی کم رفتار سے چلاتے کہ بسا اوقات پیدل چلنے والے ان کو "اوورٹیک" کر جاتے۔ سکوٹر کا اپنی جان سے بھی زیادہ خیال رکھتے، سواری سے پہلے اور فوراً بعد انہیں انتہائی انہماک اور پیار سے سکوٹر کی صفائی کرتے دیکھ کر شک گزرتا کہ انہوں نے سکوٹر سواری کے لئے نہیں خریدا بلکہ گود لیا ہے۔ ان کو یقین تھا کہ سکوٹر ایک شان دار سواری کے علاوہ ایک اچھی سرمایہ کاری بھی ہے اور ریٹائرمنٹ کے وقت اسے بیچ کر موٹر کار خریدی جا سکے گی شرطیکہ اس کی "شوروم کنڈیشن" برقرار رکھی جائے۔"(13)

کرنل اسد محمود خان نے "لاف ٹین" میں مورچوں پر موجود سپاہیوں کے لئے سالن میں بننے والی دال کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"یوں تو لنگر کی دال اپنی مثال آپ ہوتی ہے جو کہ کئی رنگوں اور ایک ہی ذائقے پر مشتمل ہوتی ہے۔ رنگوں کی بات کریں تو اتنے رنگ دھنک کے نہیں جتنے لنگر کی دال کے ہوتے ہیں۔ لال، پیلی، سبز، کالی، چھلکا اور بغیر چھلکا، ہر طرح کی دال اتنی وافر مقدار میں میسر ہوتی کہ لگتا ہے جیسے فوج کے باہر تو دال کا "کال" ہی ہوگا۔ لنگر کی دال کی خوبصورتی نکالنے کے لئے جوان اپنی اپنی طبیعت اور جیب کے مطابق نت نئے طریقے دریافت کرتا رہتا تھا۔ اس کی بنیادی وجہ اس کی جستجو کی تمنا ہوتی تھی ورنہ اس میں بہتری کی گنجائش کم ہی ہوا کرتی تھی۔"(14)

لطائف:

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.2 2022

طنز و مزاح کے حربوں میں سے ایک اہم حربہ "لطیفہ" بھی ہے ایک اچھا لطیفہ بھی سامع اور قاری پر خوشگوار اثر چھوڑتا ہے۔ بعض لطائف میں مزاح کی نوعیت بالکل واضح اور عریاں ہوتی ہے جس کا نتیجہ فوری بر آمد ہوتا ہے یعنی لطیفہ کے اختتام کے ساتھ ہی قہقہہ بر آمد ہوتا ہے لیکن بسا اوقات لطیفہ میں کوئی "لطیف اشارہ" ہوتا ہے جسے سمجھنا پڑتا ہے اور سمجھنے کے بعد جب اس کی حقیقت منکشف ہوتی ہے تو اس کے اثرات نہایت دور رس اور دیر پا ہوتے ہیں۔ بریگیڈئر صدیق سالک نے "ہمہ یاراں دوزخ" میں فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے دور حکومت میں پاکستانی معاشرے اور صحافت کے بارے میں لطیفہ کے پیرایہ میں طنز کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ہم نے پھر اپنی بھوک کا قصہ دہرانے کے لئے دوراپوبی کا یہ پرانا لطیفہ سنایا کہ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے مارشل لاء کے دوران ایک بھارتی اور ایک پاکستانی کتے کی ملاقات سرحد پر ہوئی وہ دونوں اپنا اپنا ملک چھوڑ کر دوسرے ملک میں جارہے تھے لاغر اور ضعیف بھارتی کتے نے کہا "میں تو بھوک سے تنگ آکر بھاگ رہا ہوں۔ تم موٹے تازے ہو، تم نقل وطن پر کیوں مجبور ہو گئے؟" پاکستانی کتے نے جواب دیا ادھر کھانے کو بہت ملتا ہے۔۔۔۔ لیکن بھونکنے کی اجازت نہیں۔" (15)

*اشعار کی تحریف اور مزاحیہ استعمال:* عام طور پر اشعار نثر کی نسبت زیادہ بلیغ اور مختصر مگر جامع ہوتے ہیں۔ کئی اشعار تو اس قدر معنیٰ خیز ہوتے ہیں کہ ان کے مفاہیم و مطالب کے لئے نثر کے کئی صفحات درکار ہوتے ہیں۔ اشعار کی اس تاثیر کے علاوہ بعض اوقات اس میں کوئی ایسی جزوی تبدیلی کر دی جاتی ہے کہ اس کا مفہوم نہایت مزاحیہ بن جاتا ہے۔ اس کام کے لئے بھی وسیع مطالعہ، دانش مندی اور علم عروض کا صحیح ادراک و استعمال درکار ہوتا ہے۔ عساکر پاکستان کی آپ بیتیوں میں بھی یہ حربہ بہت خوبصورت اور عمدگی کے ساتھ برتا گیا ہے۔

کرنل محمد خان نے عرب ممالک میں کچھ عرصہ گذارا اور وہاں پر اہل عرب کے دینی و دنیاوی معاملات کو بہت قریب سے دیکھا بر صغیر پاک و ہند میں بسنے والے مسلمان مکہ و مدینہ کی مناسبت سے ملک عرب سے بھی پیار کرتے ہیں اور بلاد عرب میں بسنے والے افراد سے بھی عقیدت رکھتے ہیں۔ فارسی زبان کا ایک نعتیہ شعر ہے "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

کرنل محمد خان اس شعر میں جزوی تبدیلی کرتے ہوئے اسی نسبت نبوی کی توسیع کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ہندوستانی مسلمان (پاکستانی مسلمان بھی) بہت سادہ ہے۔ عرب ملکوں اور وہاں کے لوگوں سے اسے والہانہ عشق ہے اور یہ عرب کے متعلق وہی سمجھتا ہے کہ

"بعد از نبی بزرگ توئی قصہ مختصر" (16)

کرنل محمد خان نے "بجنگ آمد" میں ایک اور مقام پر شعر میں تحریف کیئے بغیر اس کے ایک مصرع کا بہت لطیف مزاحیہ استعمال کیا ہے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ایک ملاقات کے بارے میں انگریزوں کو دی جانے والی تفصیل اور پھر اس پر ان کے رد عمل کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

ا"اب حکایت شروع ہو چکی تھی اور ہم سے ملاقات کی تفصیل کے لئے اصرار کیا جارہا تھا۔ چنانچہ ہم نے مناسب کسر نفسی مگر خاصے نامناسب مبالغہ کے ساتھ ایک دلکش سا افسانہ پیش کیا۔ ماونٹ بیٹن کے ساتھ تو بے تکلفی کا قصہ سنا تو انگریز سامعین سہم سے گئے۔ گویا کہہ رہے ہوں کہ "یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے" (17)

"کاکولیات" میں بریگیڈیئر صولت رضا نے میرؔ کے ایک شعر میں تحریف کی ہے جس سے شعر کا بحر و عروض تو متاثر ہوا ہے مگر ابلاغ کا مقصد پورا ہو گیا ہے۔ لکھتے ہیں:

۲"سرہانے کیڈٹ کے آہستہ گر جو
ابھی ٹک ہنستے ہنستے سو گیا ہے" (18)

مذکورہ بالا مزاحیہ جہات کے ساتھ ساتھ مزاح کے دیگر زاویے طے کر کے ان کی روشنی میں دیکھا جائے تو بھی عساکر پاکستان کی آپ بیتیوں میں طنز و مزاح کی چاشنی وافر مقدار میں موجود ہے۔

محولہ بالا امثلہ و شواہد سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو رہی ہے کہ افواج پاکستان کے آپ بیتی نگار ادبی چاشنی، زبان و بیان کے عمدہ استعمال اور مافی الضمیر کے موزوں ترین اظہار میں اپنے دور کے نامور اہل قلم کے ہم پلہ نظر آتے ہیں۔ انہوں نے تلخ حقائق اور دل سوز حالات کو مزاح کے دل فریب سانچے میں ڈھال کر اہل علم و ادب کے لیئے قابل قبول بنایا ہے۔ ان آپ بیتیوں کے مطالعہ سے یہ امر بھی واضح ہو رہا ہے کہ عساکر پاکستان کا مزاح فقط تفریح طبع اور وقت گذاری کا مشغلہ نہیں بلکہ انھوں نے نہایت کرب ناک اور جاں گسل مراحل کی داستان عزیمت کو قہقہوں اور مسکراہٹوں کا لباس پہنا کر زندگی کی مشکل راہوں کو دل فریب بنا دیا ہے۔

## حوالہ جات


۱۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، اردو ادب میں طنز و مزاح، لاہور: اکادمی پنجاب، ۱۹۵۸ء، ص:۵۰

۲۔ رشید احمد صدیقی، طنزیات و مضحکات، دہلی: مکتبہ جامعہ، ۱۹۷۳ء، ص:۳۴

۳۔ محمد خان کرنل، بجنگ آمد، لاہور: الفیصل ناشران، ۱۹۹۲ء، ص:۲۹

۴۔ صولت رضا، بریگیڈئیر، کاکولیات، لاہور: قلم فاؤنڈیشن، ۲۰۲۱ء، ص:۸۴

۵۔ ایضاً، ص:۹۷

۶۔ اشفاق حسین، کرنل، جنٹل مین الحمد اللہ، لاہور: ادارہ مطبوعات سلیمانی، ۲۰۲۰ء، ص:۹۳

۷۔ ضمیر جعفری، سید، ضمیر حاضر ضمیر غائب، لاہور: سنگ میل پبلیشرز، ۱۹۸۹ء، ص:۳۹

۸۔ بشیر ارائیں، بریگیڈئیر، خاک ساخاکی، کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۲۲ء، ص:۱۱۳

۹۔ نعمان الحق فرخ، بریگیڈئیر، زندہ لمحات، لاہور: ۲۰۲۱ء، ص:۱۹۱

۱۰۔ سید شفاعت علی، کرنل، غبارِ عسکری، کراچی: رائل بک کمپنی، ۲۰۰۵ء، ص:۱۳

۱۱۔ سیف الدین سیف، خم کاکل، لاہور، الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء، ص:۵۷

۱۲۔ محمد خان، کرنل، بجنگ آمد، ص:۱۵۲

۱۳۔ نعمان الحق فرخ، زندہ لمحات، ص:۶۳

۱۴۔ اسد محمود خان، کرنل، لاف ٹین، لاہور: البلال پبلشرز، ۲۰۱۲ء، ص:۵۵

۱۵۔ صدیق سالک، بریگیڈئیر، ہمہ یاراں دوزخ، راولپنڈی، سروسز بک کلب، س ن، ص:۵۵

۱۶۔ محمد خان، کرنل، بجنگ آمد، ص:۱۴۴

۱۷۔ ایضاً، ص:۲۱۷

۱۸ صولت رضا، بریگیڈئیر، کاکولیات، ص:۵۵